© rasailojaraid.com

حرفِ آغاز

خدمتِ خلق کے چند پہلو

سید جلال الدین عمری

کتنی اچھی بات ہے اور کس قدر ثواب کا کام ہے اگر کوئی شخص دستِ سوال دراز کرے تو دو چار پیسوں سے اس کی مدد کر دی جائے، کسی فاقہ زدہ کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے اور جو برہنہ تن ہے اسے تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا فراہم کر دیا جائے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ جن کو اللہ نے توفیق دی ہے اس پر عمل کرتے ہیں اور ثواب کماتے ہیں، لیکن کیا خدمتِ خلق بس یہی ہے۔ کیا اس سے اس کا حق پورا ادا ہو جاتا ہے؟ آئیے اسی سوال پر ذرا تفصیل سے غور کیا جائے۔

یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ کسی ضرورت مند کی وقتی طور پر کوئی چھوٹی بڑی مدد کر دی جائے، لیکن ضرورت وقتی نہیں ہے تو فطری طور پر اس کی مدد بھی اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک کہ ضرورت باقی ہے۔ جس شخص کی مشکلات زیادہ بڑے تعاون کا مطالبہ کرتی ہوں یا جہاں طویل مدت تک تعاون کی ضرورت ہو وہاں ضروری ہے کہ اسی نوعیت کا تعاون بھی کیا جائے۔ جو شخص نوع بنوع پیچیدہ مشکلات میں مبتلا ہو اس کے مسائل اسی وقت حل ہوں گے جب کہ اسے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اس کے مسائل کا عارضی نہیں مستقل حل ڈھونڈھا جائے اور جن اسباب کی وجہ سے زندگی کی جدوجہد میں وہ پیچھے رہ گیا ہے ان کو دور کیا جائے، اس کی غربت کا علاج کیا جائے، اسے اس قابل بنایا جائے کہ وہ بھوکا ننگا نہ رہے اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہر وقت اسے کسی کا دست نگر اور محتاج نہ ہونا پڑے۔

بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کمزوروں، ناداروں اور معاشرے کے محروم افراد کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک کا بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ سماج کو دو طبقوں میں مستقل تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ ایک طبقہ وہ جو معاشی لحاظ سے مستحکم ہو، جسے ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں اور دوسرا وہ جو اپنی بنیادی ضرورتوں کے لیے بھی اس کا محتاج اور دست نگر رہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد معاشی طور پر خود کفیل ہو، اسے دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اس کے لیے وہ جدوجہد اور محنت کرے اور اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کی تکمیل کے لیے جائز حدود میں کوشش کرے۔ یہ سب چیزیں اس کے نزدیک اجر و ثواب کی موجب ہیں۔ اس کے ساتھ معاشرے کے جو افراد صاحب حیثیت ہیں، جن کے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے اور جو دوسروں کی مدد کرسکتے ہیں انھیں وہ حکم دیتا ہے کہ کمزوروں کی مدد کریں، ان کے دکھ درد میں کام آئیں اور انھیں معاشی لحاظ سے مستحکم ہونے میں مدد دیں۔ اس سلسلہ میں اس نے ریاست کو بھی جو افراد معاشی لحاظ سے کمزور ہوں ان کا تعاون کرنے اور جو معاشی جدوجہد بالکل نہیں کرسکتے، ان کی کفالت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دراصل اس کے نزدیک معاشرے کو اوپر اٹھانے اور خود کفیل بنانے کی تدبیر ہے۔

اسے آپ اس حقیقت سے سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے زکوٰۃ کی حسبِ ذیل مدات بیان کی ہیں:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ	صدقات تو ہیں صرف محتاجوں اور مسکینوں اور ان کارکنوں
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا	کے لیے جو زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین ہیں اور
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي	ان لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی کرنا مقصود
الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ	ہے اور غلاموں کو آزاد ہونے میں مدد دینے کے لیے
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور قرض داروں کو قرض ادا کرنے کے لیے اور
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور مسافروں کے لیے۔ یہ حکم اللہ
حَكِيْمٌ ۝ (توبہ: ۶۰)	کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

معاشرہ میں جو افراد صاحب حیثیت اور متعین نصاب کے مالک ہیں، اسلام نے انھیں زکوٰۃ نکالنے اور ان متعین مدات میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس نے ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی نظم نہیں قائم کیا ہے کہ یہ کل مدات لازماً باقی رہیں اور مستحقین کا ایک گروہ دوسروں کی مدد سے پرورش پاتا رہے۔ ایک طبقہ زکوٰۃ دینے والا اور ایک طبقہ زکوٰۃ لینے والا معاشرہ میں برقرار رہے۔

اسلامی معاشرہ میں اس بات کا امکان ہے اور ایسا عملاً ہوتا رہا ہے کہ ان میں سے بعض مدات موجود نہ ہوں اور صرف بعض مدات رہ جائیں اور انھیں میں زکوٰۃ تقسیم کرنی پڑے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ سب مدات موجود ہوں تو کیا ان سب میں زکوٰۃ کی تقسیم ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور جمہور علماء کے نزدیک اسلامی ریاست کو حق ہے کہ وہ ضرورت سمجھے تو ان میں سے بعض مدات میں خرچ کرے اور بعض میں نہ کرے۔ البتہ امام شافعی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک ریاست کو ان کل مدات میں زکوٰۃ تقسیم کرنی چاہیے۔ علامہ ابن رشد دونوں رایوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ آیت کے الفاظ تو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ زکوٰۃ ان سب مدات میں خرچ ہو لیکن ان کا منشا یہ ہے کہ اہل حاجت کو ترجیح دی جائے اور ان کی ضروریات پوری ہوں۔ آیت میں جن مدات کا ذکر ہے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان مدات میں زکوٰۃ خرچ ہونی چاہیے، یہ نہیں ہے کہ لازماً ان سب میں خرچ کیا جائے۔[1]

یہ تو ریاست کا معاملہ ہوا، فرد کو بھی اس کا اختیار ہے کہ وہ اپنی کل زکوٰۃ کو کسی ایک مد میں جسے وہ اہم سمجھے خرچ کرے۔ مثال کے طور پر ایک شخص ایک ہزار درہم کا مقروض ہے، اسے وہ ادا نہیں کر پا رہا ہے۔ اگر کسی کی زکوٰۃ کی رقم ایک ہزار درہم ہی نکلتی ہو اور وہ اپنی ساری رقم اسے دے دے تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر سکے تو یہ جائز ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہی جمہور کا مسلک ہے۔[2]

اسی طرح ہر جگہ کی زکوٰۃ اسی جگہ صرف ہونی چاہئے لیکن فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی کے رشتہ دار دوسری جگہ ہوں یا وہاں کے لوگ زیادہ محتاج ہوں تو زکوٰۃ منتقل کی جا سکتی ہے تاکہ وہاں کی ضرورت پوری ہو۔[3]

اس کی بعض تفصیلات میں علماء کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کسی جگہ حاجت نہ ہو تو جہاں حاجت ہو وہاں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔[4]

---

[1] بدایۃ المجتہد ۱/۲۶۶ — [2] فتاویٰ ابن تیمیہ، طبع جدید ۲۵/۷۲

[3] ہدایہ : ۱/۱۸۸ — [4] ابن ہبیرہ، الافصاح ۱/۲۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جو افراد معاشی لحاظ سے کمزور ہیں، زکوٰۃ کے ذریعہ اسلام نے انھیں مضبوط بنانے کی کوشش کی ہے اور جن کی معاش کا کوئی نظم نہیں ہے ان کی معاش کا بند و بست کیا ہے۔ آج بھی زکوٰۃ کو صرف کرتے وقت اس مقصد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

اگر یہ حقیقت پیش نظر ہو تو خدمت خلق کے بارے میں ہمارا تصور بدل سکتا ہے اور ہم اس کے وسیع تقاضوں کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ اسے ہم بعض مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

کسی فقیر اور مسکین کو ایک وقت کا کھانا کھلانا بھی کارِ ثواب ہے۔ اس کی فضیلت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن ایک مسکین جب تک مسکین ہے، اس کا حق باقی رہے گا اور فرد کی بھی اور ریاست کی بھی ذمہ داری ہوگی کہ اسے اس حالت سے نکالے اور اس کے فقر و احتیاج کو مستقل طور پر ختم کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ معاشرہ میں باوقار اور اطمینان کی زندگی گزار سکے۔ اس کی فضیلت حدیث میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الساعی علی الارملة والمسکین	بیواؤں اور مسکینوں کے لیے سعی و جہد
کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ	کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے
او القائم اللیل الصائم النہار[1]	یا رات میں قیام کرنے والے دن میں روزہ رکھنے والے کی مانند ہے۔

بیواؤں اور مسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو ان کی فلاح و بہبود کے لیے کی جائیں ان میں ان کی ضروریات کی تکمیل، ان کے لیے روزگار فراہم کرنا اور ان کو سماج میں باوقار زندگی گزارنے کے قابل بنانا سب کچھ آجاتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

المراد بالساعی الکاسب	سعی و جہد کرنے والے سے مراد وہ شخص

---

[1] بخاری: کتاب النفقات باب فضل النفقة علی الاہل، مسلم: کتاب الزھد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لهما العامل لمؤنتها [۱]
ہے جوان کی معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرے اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے محنت مشقت کرے۔

اس کی شرح حافظ ابن حجر نے ان الفاظ میں کی ہے:

الذی یذهب ویجئ فی تحصیل ماینفع الارملة والمسکین [۲]
بیواؤں اور مسکینوں کو جو چیز بھی فائدہ پہنچائے اسے حاصل کرنے کے لیے دوڑ بھاگ کرنے والا۔

بہت سے مسکین اور محتاج وہ ہیں جو اپنی ضروریات بے تکلفی کے ساتھ بیان کر کے مدد کی درخواست کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ایسے حاجت مند بھی ہوتے ہیں جن کی غیرت و خودداری انھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ دوسروں کے سامنے اپنی حاجت کا ذکر کریں اور مدد کے لیے ہاتھ پھیلائیں۔ اس طرح کے حاجت مند افراد معاشرے کی توجہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:-

لیس المسکین بهذا الطواف الذی یطوف علی الناس فترده اللقمة واللقمتان والتمرة والتمرتان قالوا فمن المسکین یارسول الله قال: الذی لایجد غنی یغنیه ولا یفطن له فیتصدق علیه ولا یسئل الناس شیئاً [۳]

مسکین وہ نہیں ہے جو دست سوال پھیلائے لوگوں کا طواف کرتا پھرے اور تم اسے ایک لقمہ دو لقمہ کھلا دو یا ایک آدھ کھجور دے دو۔ لوگوں نے سوال کیا پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس نہ تو اتنا مال ہے جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے اور نہ اس کی حالت ہی کا علم ہوتا ہے کہ اسے صدقہ و خیرات دی جائے۔ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا۔

۱۔ شرح مسلم: ۲/۲۱۱
۲۔ فتح الباری: ۹/۴۰۲
۳۔ مسلم: کتاب الزکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور مثال لیجئے، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی قرآن و حدیث میں بار بار کی گئی ہے۔ یہ حسن سلوک وقتی طور پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے وسیع تقاضے بھی ہیں۔ یہ تقاضے اسی وقت پورے ہوں گے جب کہ ایک مدت تک اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اسے اس قابل بنایا جائے کہ اسے معاشی استقلال حاصل ہو اور وہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے معاشرہ کا بہترین فرد بن سکے۔ ان تقاضوں کی طرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اشارہ کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کافل الیتیم لہ او لغیرہ انا وھو کھاتین فی الجنۃ واشار مالک بالسبابۃ والوسطیٰ[1]

یتیم کی کفالت کرنے والا چاہے وہ اس کا (رشتہ دار) ہو یا کسی دوسرے کا میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب) ہوں گے۔ امام مالک نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کرکے بتایا۔

اس حدیث میں کفالت کا لفظ بڑا اہم ہے۔ اس میں اس کی پرورش بھی داخل ہے اور تعلیم اور تربیت اور معاشی انتظام بھی۔ امام نووی نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:۔

کافل الیتیم القائم بامورہ من نفقۃ وکسوۃ وتادیب وتربیۃ وغیر ذلک وھذا الفضیلۃ تحصل لمن کفلہ من مال نفسہ او من مال الیتیم بولایۃ شرعیۃ[2]

یتیم کی کفالت کرنے والا یعنی اس کے نان و نفقہ، لباس اور تعلیم و تربیت کا بوجھ اٹھانے والا۔ یہ فضیلت اس شخص کو بھی حاصل ہوگی جو اپنے مال سے اس کی کفالت کرے اور وہ شخص بھی اس کا حق دار ہوگا جو یتیم ہی کے مال سے شریعت نے سرپرستی کا جو حق دیا ہے اس کے مطابق کفالت کرے۔

---

[1] مسلم: کتاب الزھد: باب فضل الاحسان الی الارملۃ والیتیم والمسکین

[2] شرح مسلم: ۲/۴۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص ان تقاضوں کی جس حد تک تکمیل کرے گا اس حد تک وہ اجر و ثواب اور فضیلت کا مستحق ہوگا اور جو اس کا صحیح معنیٰ میں حق ادا کرے گا اسے جنت میں اللہ کے رسول کی رفاقت بھی حاصل ہوگی۔

۳۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا مال تقسیم فرمارہے تھے۔ دو آدمی حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انھیں بھی اس میں سے کچھ عنایت کیا جائے آپ نے دیکھا کہ وہ تندرست و توانا ہیں تو ناگواری کے ساتھ فرمایا۔

ان شئتما اعطیتکما و لا حظ فیھا لغنی ولا لقوی مکتسب [1]	اگر تم چاہو تو میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں کسی مالدار کا اور کسی تندرست و توانا آدمی کا جو اپنی معاش حاصل کر رہا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں "ولا لقوی مکتسب" کا جملہ بڑا اہم ہے۔ امام خطابی نے اس سے حسب ذیل استدلال کیا ہے۔

فیہ انہ لم یعتبر فی منع الزکوٰۃ ظاھر القوۃ والجلد دون ان ضم الیہ الکسب فقد یکون من الناس من یرجع الی قوۃ البدن ویکون مع ذلک اخرق الیہ لایعتمل فمن کان ھذا سبیلہ لم یمنع من الصدقۃ بدلالۃ الحدیث [2]	حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ کسی کو زکوٰۃ سے اس کا ذریعہ معاش دیکھے بغیر محض اس لیے منع نہیں کیا جائے گا کہ وہ طاقت ور اور مضبوط ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ مضبوط بدن کے باوجود بے ہنر ہوتے ہیں۔ اپنے لیے کچھ کر نہیں پاتے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو صدقہ میں اس کا حق ہے۔ اسے اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص صحت مند اور تندرست تو ہے لیکن

---

[1] ابوداؤد

[2] معالم السنن ۲: ۱۲/

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روزگار سے نہیں ہے یا اس کے پاس روزگار تو ہے لیکن اس کے لئے ناکافی ہے تو صدقہ اور خیرات سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے اور اس کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں۔ آج کتنے ہی نوجوان ہیں جو محنت مشقت تو کرسکتے ہیں لیکن محض سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ذریعہ معاش اختیار نہیں کرپاتے اور عسرت اور تنگ دستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر ان کی یہ رکاوٹ دور کردی جائے تو وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکتے ہیں اور انھیں معاشی استقلال حاصل ہوسکتا ہے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی منصوبہ نہیں ہے بلکہ شاید ذہن اس کے تصور ہی سے خالی ہے۔

۴۔ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ایک گفتگو نقل فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ سب سے برتر اور افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

ایمان باللہ وجہاد فی سبیلہ قلت فای الرقاب افضل قال اغلاھا ثمنا وانفسھا عند اھلھا قال فان لم افعل قال تعین ضائعا او تصنع لاخرق قال فان لم افعل قال تدع الناس من الشر فانھا صدقۃ تصدق بھا علی نفسک [1]	اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد۔ میں نے دریافت کیا کہ کس قسم کے غلام کو آزاد کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ آپ نے فرمایا وہ غلام جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو اس کے مالک کے نزدیک زیادہ نفیس اور عمدہ ہو۔ میں نے عرض کیا اگر مجھ میں اس کی استطاعت نہ ہو اور میں اسے نہ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا اس شخص کی مدد کرو جس کے بچے غربت سے ضائع ہو رہے ہوں یا جو شخص اپنا کام نہ کرسکے اس کی مدد کرو۔ میں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا لوگوں کو اپنے ہی شر سے بچاؤ۔ یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنے نفس پر کرو گے۔

---

[1] بخاری، کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ افضل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث میں پہلے ایمان باللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا 'تعین ضائعا او تصنع لاخرق'۔ اسی کی یہاں تھوڑی سی تشریح کی جائے گی۔ 'تعین ضائعا' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غربت میں مبتلا ہو اور جس کے بیوی بچوں کے گزر بسر کی صورت نہ ہو اس کی مدد کرو۔ اسے ضائع ہونے سے بچاؤ۔ اس مدد کی مقدار یا اس کی شکل متعین نہیں کی گئی ہے۔ اسے اس شخص کے حالات اور مدد کرنے والے کی حیثیت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ احتیاج جس نوعیت کی ہے اسی نوعیت کی مدد آدمی کو اپنی حیثیت کے مطابق کرنی چاہیئے۔

ایک روایت میں 'ضائعا' کی جگہ 'صانعا' کا لفظ آیا ہے[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی ایسے شخص کی مدد کرو جس کے ہاتھ میں کوئی صنعت یا پیشہ ہے۔ اس کی مدد روپیہ پیسہ، فنی تعاون، اوزار اور مشینوں کی فراہمی اور پیداوار کے لیے بازار اور مارکیٹ پیدا کر کے کی جا سکتی ہے۔ صاحب حرفت کی مدد کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی مشکلات کا بالعموم احساس نہیں ہوتا اور اس کی مدد کی طرف ذہن نہیں جاتا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا 'او تصنع لاخرق'۔ 'اخرق'، بے ہنر کو یا ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کوئی کام اچھی طرح نہ کر سکے[2] گویا پہلے ہنرمند کی مدد کا حکم ہوا پھر بے ہنر کی مدد کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مطلب یہ کہ جو شخص بے ہنر ہے یا اپنا کام ٹھیک سے انجام نہیں دے پا رہا ہے اس کی مدد کی جائے۔ اگر معاشرہ میں اس کا احساس عام ہو اور اس طرح کے ادارے کام کرنے لگیں جہاں صنعت و حرفت کی تعلیم دی جائے، بے ہنروں کو ہنرمند بنایا جائے اور ان کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں تو یہ خدمت خلق کی بہت اچھی شکل ہو سکتی ہے۔ اور اس سے کم زور طبقات کے معاشی مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نووی: شرح مسلم ۱/۶۲ - ابن حجر: فتح الباری ۵/۹۰

[2] حافظ ابن حجر نے 'اخرق' کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ الذی لیس بصانع ولا یحسن العمل۔ فتح الباری ۵/۹۰ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں۔ الاخرق ای جاھل بما یجب ان یعمله ولم یکن فی یدیہ صنعة یکتسب بھا۔ النہایہ فی غریب الحدیث ۱/۲۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے دوسروں کے سامنے اپنی ضروریات کے رکھنے اور دست سوال دراز کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن بعض نازک حالات میں احتیاج کو بیان کرنے اور مدد طلب کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ حضرت قَبِیصَہ بن مخارقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر ایک مالی ذمہ داری لی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے مدد کی درخواست کی آپ نے فرمایا: یہیں مدینے میں قیام کرو، صدقہ کا مال آئے گا تو تمہاری ضرورت پوری کردی جائے گی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:۔

یا قبیصۃ ان المسألۃ	اے قبیصہ سوال جائز نہیں سوائے اس
لا تحل الا لاحد ثلاثۃ رجل	شخص کے جو ان تین میں سے ایک ہو، وہ
تحمل حمالۃ فحلت له	شخص جس نے دوسروں کی خاطر اپنے
المسألۃ حتی یصیبھا ثم	اوپر قرض کا بوجھ اٹھایا ہو۔ قرض کی رقم
یمسك ورجل اصابته جائحۃ	فراہم ہونے تک وہ سوال کرسکتا ہے
اجتاحت ماله حتی	پھر اسے رک جانا چاہئے۔ دوسرا وہ شخص
یصیب قواماً من عیش	جس کا مال کسی حادثہ میں ختم ہو جائے
او قال سداداً من عیش	اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز ہے
ورجل اصابته فاقۃ	یہاں تک کہ اس کی حالت ٹھیک ہو جائے
حتی یقوم ثلاثۃ من ذوی	اور وہ کھڑا ہو جائے۔ یا آپ نے یہ فرمایا
الحجیٰ من قومه لقد	کہ یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔
اصابت فلاناً فاقۃ فحلت	تیسرا وہ شخص جسے فاقہ لاحق ہو۔ اور
له المسألۃ حتی یصیب قواماً	اس کی قوم کے تین آدمی یقین کے ساتھ کہیں
من عیش او سداداً من	کہ فلاں شخص فاقہ میں مبتلا ہے اس کے
عیش فما سواھن من المسألۃ	لیے بھی سوال جائز ہے یہاں تک کہ اس
یا قبیصۃ سحتاً یاکلھا	کی حالت ٹھیک ہو جائے یا یہ فرمایا کہ اس کی
صاحبھا سحتاً [1]	ضرورت پوری ہو جائے۔ ان تین صورتوں

[1] مسلم: کتاب الزکوٰۃ باب معاقل لہ المسئلہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علاوہ اے قبیصہ! سوال کی جتنی
صورتیں ہیں سب حرام ہیں۔ ان کے ذریعہ
کھانے والا حرام کھاتا ہے۔

اس میں تین قسم کے آدمیوں کو سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کے جھگڑوں اور نزاعات کو ختم کرنے اور متحارب گروہوں کے درمیان صلح صفائی کے لیے اپنے اوپر کوئی مالی ذمہ داری لے لے۔ یہ ذمہ داری وہ خود نہ ادا کر سکے تو دوسروں سے مدد لے سکتا ہے۔ یہ اس پر ایک قرض ہے اور اس قرض کے ادا کرنے میں معاشرہ کو مدد کرنی چاہیے[۱]۔ افراد ہوں یا ادارے اور سوسائٹیاں آپس کے اختلافات ان کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ایک فریق ظلم کرتا ہے دوسرا اس کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ ایک اپنے حق سے زیادہ مطالبہ کرتا ہے دوسرا اس کے حق ہی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا یا اسے اس کے حق سے کم دینا چاہتا ہے۔ یہ اختلافات جب حد سے آگے بڑھتے ہیں تو جان و مال کے بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ ان جھگڑوں کو بسا اوقات مالی تعاون کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے اور صلح صفائی ہو سکتی ہے۔ دو لڑنے والے افراد یا فریقوں کے درمیان صلح کی خاطر مالی بوجھ برداشت کرنا خدمت خلق کی بہترین شکل ہے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ جو شخص اس خدمت کے لیے اٹھے وہ دوسروں سے تعاون کے لیے دست سوال بھی دراز کر سکتا ہے۔ حکومت اور معاشرے کو اس میں اس کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

دوسرا شخص جس کو سوال کرنے کی اس حدیث میں اجازت دی گئی ہے وہ ہے جو کسی ارضی و سماوی مصیبت کی وجہ سے معاشی مشکلات میں گرفتار ہو جائے۔ بعض اوقات سیلاب، طوفان، زلزلہ، آتش اور لوٹ مار جیسی آفات سے ایک خوش حال آدمی بھی اچانک اپنی بنیادی ضروریات تک پوری کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس صورت میں اسے اجازت دی گئی ہے کہ وہ دوسروں سے مدد طلب کرے اور اپنی ضروریات پوری کرے۔

امام خطابی کہتے ہیں کہ کسی کا ساز و سامان سیلاب میں غرق ہو جائے یا آگ سے جل جائے یا اس کے غلے اور پھلوں کو پالا لگ جائے یا اس طرح کی کسی دوسری آفت میں

---

[۱] اس کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو معالم السنن: ۲/۶۷، ۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرفتار ہو جائے تو اس کے لیے، سوال کرنا جائز ہے اور واجب ہے کہ لوگ اسے صدقہ و خیرات دیں۔ اس شخص سے دلیل کا مطالبہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تباہی خود اس کے احتیاج کی دلیل ہے[1]

راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حتیٰ یصیب قواما من عیش' ارشاد فرمایا' یا 'سدادا من عیش' کے الفاظ استعمال فرمائے لیکن دونوں جملے ہم معنی ہیں[2] ان کا مطلب یہ ہے کہ اتنا سر و سامان ہو جائے کہ آدمی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور وہ بے نیاز ہو جائے۔ انسان کی زندگی کا دار و مدار جن امور پر ہوتا ہے انھیں 'قواما من عیش' کہا گیا ہے۔ غربت کی وجہ سے زندگی میں جو رخنہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے ان کے پر کرنے کو 'سدادا من عیش' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک انسان کا یہ فطری حق ہے کہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوں۔ اس کے لیے وہ مجبوری میں دوسروں سے مانگنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

حدیث میں جس ناگہانی صورت کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی بھی شخص کے ساتھ کسی بھی وقت پیش آسکتی ہے۔ جو شخص اس صورت حال سے دوچار ہو کم از کم اس کی بنیادی ضرورتوں کے پورا کرنے کی ضرور کوشش ہونی چاہیے۔ یہ کوشش افراد کی طرف سے بھی ہونی چاہیے اور اداروں کی طرف سے بھی۔ اگر انسان کی ناگزیر ضرورتیں بھی پوری نہ ہوں تو اس کے لیے اپنے نقصان کی تلافی کرنے اور اپنی سابقہ حالت کو بحال کرنے کی کوئی تدبیر کرنا آسان نہیں ہے۔ مزید ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے بارے میں تو اس کا ذہن شاید سوچنے کے لیے بھی آمادہ نہ ہوگا۔

تیسرا شخص جسے سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ ہے جو فقر و فاقہ پر مجبور ہو گیا ہو

---

[1] معالم السنن : ۲/۶۷ [2] امام نووی فرماتے ہیں۔ السداد والقوام وھما بمعنی وھو مایغنی من شیئ ومانسد بہ الحاجۃ۔ شرح مسلم ۱/۳۳۴ علامہ ابن اثیر نے 'قواما من عیش' کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ ای مایقوم بحاجتہ الضروریۃ۔ قوام الشی عمادہ الذی یقوم بہ۔ النہایہ فی غریب الحدیث ۳/۲۸۵ 'سدادا من عیش' کی شرح میں فرماتے ہیں ای مایکفی حاجتہ والسداد بالکسر، شیئ سددت بہ خللا ۲/۱۵۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کی مجبوری کی گواہی اس کے خاندان، محلہ اور بستی کے لوگ دیں۔ فقر و فاقہ کے اسباب، بے روزگاری، کم آمدنی، صحت کی خرابی وغیرہ بہت سے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی وجہ سے آدمی بھوک اور فاقہ کی لپیٹ میں آ گیا ہے تو اسے دوسروں سے مانگنے کا حق ہے اور ان کا اخلاقی اور بعض حالات میں قانونی فرض ہے کہ اس کی مدد کریں اور اسے موت کے موںھ میں جانے نہیں۔ لیکن ظاہر ہے جن اسباب کی وجہ سے وہ اس حالت میں ہے ان اسباب کا دور کرنا زیادہ اہم ہے، ورنہ جب تک یہ اسباب ختم نہ ہوں وہ مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتا رہے گا اور اس کا احتیاج ختم نہ ہوگا۔ اسلام کسی کو اس حال میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس سلسلہ میں ان احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو سوال کی مذمت میں آئی ہیں۔[۱]

حدیث میں اس شخص کو بھی سوال کی اجازت دی گئی ہے جو قرض کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہو۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان المسألۃ لا تصح الا لثلاث لذی فقر مدقع او لذی غرم مفظع او لدم موجع۔[۲]	سوال صرف تین طرح کے آدمیوں کے لیے جائز ہے۔ ایک وہ جسے فقر و احتیاج نے بالکل لٹا دیا ہو، دوسرا وہ جس پر قرض کا شدید بوجھ ہو، تیسرا وہ جس نے کسی کا خون بہایا ہو اور اس کی دیت کا مسئلہ اسے یا اس کے سرپرستوں کو پریشان کر رہا ہو۔

---

[۱] جو شخص کسی ارضی و سماوی مصیبت میں گرفتار ہو جائے اس کے لیے حدیث میں گواہی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کا نقصان بالکل واضح ہے۔ یہ خود اس کے غربت و افلاس کی دلیل ہے۔ لیکن اگر ایک خوش حال اور کھاتا پیتا شخص اپنے فقر و فاقہ اور افلاس کا اظہار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا مال و اسباب راتوں رات چوروں نے لوٹ لیا ہے یا اس کی امانت کسی نے ہڑپ کر لی ہے یا کسی ناگہانی مصیبت کی وجہ سے وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گیا ہے تو ضروری ہوگا کہ اس کے قریب کے تین سوجھ بوجھ والے اشخاص اس کی تصدیق کریں۔ اس کی نوعیت شہادت کی نہیں ہے۔ ورنہ دو کی شہادت کافی ہوتی بلکہ یہ دراصل تحقیق حال اور تصدیق کی ایک صورت ہے۔ ملاحظہ ہو معالم السنن: ۲/۶۷ یہ بات آپ نے غالباً سوال سے باز رکھنے کے لیے بھی فرمائی ہے تاکہ کوئی بھی شخص فاقہ کے نام پر سائل نہ بن جائے۔ یہ سوال پر ایک طرح کی بندش ہے۔

[۲] ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب ماتجوز فیہ المسئلۃ۔ اس مفہوم کی روایتیں ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں بھی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدمی کبھی قرض میں اس بری طرح پھنس جاتا ہے کہ اس سے نکلنے کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس سے بسا اوقات آدمی کا سارا کاروبار ختم ہو جاتا ہے اور اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش باقی نہیں رہتا۔ قرض کی وجہ سے چلتے ہوئے ادارے بند ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی کمپنیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ موجودہ دور میں اس طرح کے افراد اور اداروں کے ساتھ دو طرح کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرکے ان کا کاروبار ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس بے رحمی کے نتیجہ میں خوش حال زندگی گزارنے والے خاندان کے خاندان غربت وافلاس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور ان کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔

دوسرا رویہ جو ہمدردی کا رویہ سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ اس مصیبت سے نکلنے اور ان کی معیشت کو سنبھالا دینے کے لیے انھیں مزید قرض دیا جائے۔ لیکن آج قرض کے ساتھ سود لازمی ہے۔ یہ بظاہر ہمدردی بھی انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی ایک مکروہ شکل ہے۔ اس سے آدمی قرض در قرض اور سود در سود کے جال میں اس طرح پھنستا چلا جاتا ہے کہ اس سے کبھی نکل نہیں پاتا۔ اس سے نجات پانے کے لیے بعض اوقات وہ خود چاہنے لگتا ہے کہ اس کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور اس کے کارخانوں اور فیکٹریوں پر تالے لگا دئے جائیں۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر کسی نے جائز مقصد اور جائز ذریعہ سے قرض حاصل کیا ہے اور اس قرض کے ڈوبنے میں دانستہ اس کی کسی غلطی کا دخل نہیں ہے تو معاشرہ کا فرض ہے کہ اس پریشانی سے نکلنے میں اس کی مدد کرے۔ اس کے لیے وہ معاشرہ اور ریاست سے اپیل بھی کر سکتا ہے۔ زکوٰۃ میں بھی اس کے لیے ایک مد رکھی گئی ہے۔ جو شخص بھی ان دونوں رویوں کا مقابلہ کرے گا وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ اسلام کا رویہ ہمدردی اور انسانیت کا ہے جب کہ موجودہ دور نے بے رحمی اور ظلم کا رویہ اختیار کیا ہے۔

اسلام نے خدمت خلق کے جن طریقوں کی طرف راہنمائی کی ہے افسوس کہ خود اس کے ماننے والے انھیں فراموش کیے بیٹھے ہیں ورنہ ایک ایسے ماحول میں جہاں خود غرضی اور مفاد پرستی ہر طرف چھائی ہوئی ہے بے لوث اور ہمہ جہت خدمت کی مثال قائم کر سکتے ہیں اور دنیا ان سے سبق حاصل کر سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com